ادبیات

سفر پارہ

ریل گاڑی میں

(زیر ترتیب کتاب "نغیرِ فطرت" کا ایک ورق)

از جناب احسان دانش صاحب

آچکا تھا نصفِ گردوں تک سوارِ آفتاب ۔۔۔ لوٹتا تھا سُرخ انگاروں پہ گرمی کا شباب
جا رہا تھا میں سہارنپور کو لاہور سے ۔۔۔ درسِ عبرت لے کے خواب دوستی کی دور سے
مونگ دلتی جا رہی تھی سینۂ صحرا پہ ریل ۔۔۔ انقلابی زلزلوں کی رو تھی یا طوفان میل
بے زباں جنگل میں دورِ علم کا اعلان تھا ۔۔۔ وجد تھا باغوں پہ طاری رقص میں میدان تھا
کر رہی تھی دمبدم روشن چراغِ انہماک ۔۔۔ پٹڑیوں سے سنگ پاروں کی صدائے سوزناک
بچھ رہے تھے ایسی چپ سادھے سلیپر راہ میں ۔۔۔ جس طرح سا ونت سینہ تان لے جنگ گاہ میں
پٹڑیوں کا ارغنوں تھا، گھومتے پہیوں کی گت ۔۔۔ چار تالی راگنی سی گونجتی جاتی تھی چھت
یوں نظر آتی تھی حالت چرخِ نیلم تاب کی ۔۔۔ جیسے آندھی میں ہلے کائی کسی تالاب کی
کوئلے کے ننھے ننھے ذرے ہائے نیم جاں ۔۔۔ برق رو جھونکوں کے اُڑتے دامنوں میں تھو رہا
بن رہی تھی صنِ میداں کی ہوا تپ تپ کے لو ۔۔۔ ہونکتا جاتا تھا انجن پھیلتی جاتی تھی بُو
دھیمی سی لَے کے بڑھتی فون کے تاروں کی ڈور ۔۔۔ کھیتیوں کے حاشیوں پر ناچتے بچوں کا شور

ہاتھ سے رکھ کر درانتی دور سے تکتے کسان　　مفلسی سے جن کے دل بوڑھے، مگر چہرے جوان
بھاگتی پگڈنڈیاں، بہتی ہوئی سی شاہراہ　　جھانکتی کھڑکیوں پر گہ بانوں کی نگاہ
سنسناتے گرم جھونکے، دندناتی گاڑیاں　　گھومتے باغات، چلتے پل، جھپٹتی جھاڑیاں
دوڑتے کھمبے، لپکتے کھیت، رم کرتے شجر　　چڑھ رہی تھیں گویا شاعر کی نگاہیں سان پر

آ رہی تھی دل سے یہ آواز "اے فطرت شناس
کس قدر نامعتبر ہے عقلِ انساں کا قیاس

دیدۂ حق بیں کو لازم ذوقِ بیداری بھی ہے　　لازم اس غفلت سرا والوں کو ہشیاری بھی ہے
محفلِ عالم ہے لبریز فریبِ چشم و گوش　　ہے پیامِ تشنہ کامی اہتمامِ نا و نوش
بیقراری ہے سکوں کے دامنِ خاموش میں　　خامشی پنہاں ہے فریاد و فغاں کے جوش میں

کر نہ آنکھوں کا یقیں، دنیا کی صورت اور ہے
زندگی کے ذرّے ذرّے کی حقیقت اور ہے"